R. No. 2186/57 — Regd. No. L922.

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

[illegible]
[illegible]
[illegible]

جلد ۲۳ - شمارہ ۴۲ | ایڈیٹر: آلِ احمد سرور | ۸ر نومبر ۱۹۶۴ء

اداریہ

جے پور کانفرنس کی قراردادیں

جے پور کی کانفرنس میں دس اہم قراردادیں منظور ہوئیں۔ آج کی اشاعت میں ہم دو کے متعلق خاص طور سے کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ دوسری قراردادوں کے متعلق آیندہ وضاحت ہوگی۔

پہلی قرارداد میں ہم نے صدرِ جمہوریہ کو پھر توجہ دلائی ہے کہ ہمارا پرانا مطالبہ اب منظور ہو ہی جانا چاہیے۔ جتنا وقت گزرتا جاتا ہے اس مطالبے کی صداقت واضح ہوتی جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرکزی حکومت سے اس سلسلے میں جو اعلانات ہوتے ہیں ان پر ریاستی حکومتیں عمل نہیں کرتیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تعلیم کے معاملے میں ریاستی حکومتیں بڑی حد تک آزاد ہیں۔ صرف ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں دستور کی دفعہ ۳۵۰ الف میں ان کو کوشش کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جب یہ مسئلہ پارلیمنٹ کے سامنے آیا تھا تو انجمن کے ایک وفد نے اس سلسلے میں مطالبہ کیا تھا کہ ریاستی حکومتوں کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ لسانی اقلیتوں کے لیے ان کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم کا انتظام کریں۔ مگر بات کوشش تک ہی رہ گئی۔ ثانوی تعلیم کے سلسلے میں تو ریاستیں مکمل آزادی رکھتی ہیں۔ مرکز کی ہدایات پر وہ عمل نہ کریں تو مرکز انھیں مجبور نہیں کرسکتا۔ اسی طرح چونکہ ان کے اپنے سرکاری زبان کے قوانین ہیں جن کی پابندی ان پر لازمی ہے۔ اس لیے وہ اس کا بہانہ کرکے لسانی اقلیتوں کے معاملات میں ٹال مٹول سے کام لیتی ہیں۔ ہمارے دستور سازوں کے ذہن میں یہ خطرہ تھا اور اسی لیے دفعہ ۳۴۷ میں صدر کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اگر مطمئن ہو تو کسی بھی زبان کو خاص اغراض کے لیے سرکاری زبان کا درجہ دے سکتا ہے۔ اتنے عرصے کے تجربے نے یہ بات بالکل واضح کردی ہے کہ صدر جب تک اپنے اس اختیار کا استعمال نہیں کریں گے حالات کی اصلاح نہیں ہوگی۔ ریاستی حکومتیں جب خود اپنی موجودہ پالیسی پر عمل نہیں کرتیں تو وہ اپنے سرکاری زبان کے قانون میں تبدیلی کیوں کرنے لگیں۔ اس لیے صدر کے حضور میں ہمارا یہ مطالبہ ہر طرح مناسب ہے۔ انجمن کی مجلسِ عام جلد ہی اس سلسلے میں مناسب قدم اٹھائے گی۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صدر ہماری آواز پر کان نہیں دھریں گے وہ غلطی پر ہیں۔ دستور نے یہ اختیار صدر کو دیا ہے۔ انھیں اپنی حکومت سے اس سلسلے میں مشورے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر سارے معاملات پر انھوں نے غور کیا تو ہمیں یقین ہے کہ وہ ضرور ہمارا مطالبہ مان لیں گے۔ دراصل اس سلسلے میں خود ان کے مقرر کردہ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹوں میں ہی کافی مواد موجود ہے۔ ہمارا کام تو صرف یہ واضح کرنا ہے کہ دستور کی اس دفعہ کے مطابق صدر کا اپنے اختیارات سے کام لینا ضروری ہوگیا ہے اور اس کے لیے ہمارے پاس شہادتوں کا ایک دفتر موجود ہے۔

دوسری قرارداد سہ لسانی فارمولے کے متعلق ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس میں جو طریقۂ کار تجویز کیا گیا ہے وہ اس فارمولے کی اسپرٹ کو زیادہ پورا کرتا ہے۔ اب تو موجودہ وزیرِ تعلیم نے بھی یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اس فارمولے کی اسپرٹ پر عمل نہیں ہوا۔ ہمارا

اس شمارے میں

کہنا یہ ہے کہ اگر تیسری زبان کے طور پر بھی مادری زبان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکتا تو پھر اس تعلیم اور اس فارمولے کی لسانی اقلیتوں کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ چنانچہ ہم نے مادری زبان کی تعلیم کو ہر حال میں ضروری قرار دیا ہے۔ دوسرے ہم نے یہ کہا ہے کہ اس فارمولے میں ہر ہندوستانی زبان کی نہیں بلکہ کسی جدید ہندوستانی زبان کی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے۔ اگر اتر پردیش میں طلبا کے لیے سنسکرت کا انتظام ہوتا ہے اور وہ نہ اپنی مادری زبان مثلاً اردو پڑھ سکتے ہیں اور نہ کوئی جدید ہندوستانی زبان مثلاً تامل یا تلنگو، تو یہ لسانی اقلیتوں کے ساتھ ظلم ہی نہیں قومی یکجہتی کے تصور کے ساتھ بھی زیادتی ہے۔ ہاں اگر بعض ریاستوں میں لسانی اقلیتوں کو چار زبانیں بھی پڑھنی پڑیں تو انھیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے بشرطیکہ ان کی مادری زبان کی تعلیم کا انتظام ضرور ہو۔

سستی بین

یار لوگ کافی ہاؤس کے شیدائیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے مگر اب کے دہلی کے کچھ من چلوں کی بدولت کافی کے پیالے سے جو طوفان اٹھا اس نے سارے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہوا یہ کہ دوسرے دکانداروں اور تاجروں کی دیکھا دیکھی کافی ہاؤس والوں نے بھی ایک کافی کے پیالے کی قیمت پینتیس پیسے سے بڑھا کر پچاس پیسے کر دی۔ آپ تو جانتے ہیں کافی ہاؤس کے رسیا اخبار نویس، دانشور، فن کار ہوتے ہیں۔ انھوں نے کافی ہاؤس کا بائیکاٹ کیا اور باہر فرش پر ایک شامیانہ لگا کر اپنا اسٹال کھول دیا۔ ساتھ ہی ساتھ گرانی کے خلاف ایک مہم چلائی جس کے ساتھ بہت سے لوگوں کو ہمدردی ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کافی ہاؤس والوں کا نشہ ہرن ہو گیا اور انھوں نے پچھلی شرح پھر نافذ کر دی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا گرانی کے خلاف تحریک زور پکڑ چکی تھی۔ حلوائیوں، دودھ والوں، سبزی فروشوں اور عوام کی تکلیف سے نفع کمانے والوں کے خلاف اچھا خاصہ مورچہ قائم ہو گیا۔ اب تک لوگ کان دبا کر دکاندار یا تاجر جو دام مانگتا تھا دے دیتے تھے، اب انھوں نے دکانوں کا بائیکاٹ شروع کر دیا ہے اور محلے محلے اپنی ٹولی بنالی ہے جو کم قیمت پر ضرورت کی چیزیں بیچتی ہے۔

یادش بخیر ایک زمانے میں لکھنؤ کا کافی ہاؤس بڑی کشش رکھتا تھا۔ ادھر شام ہوئی اور یونی ورسٹی کے کچھ استاد، ہندی اور اردو کے شاعر اور ادیب، ریڈیو کے کچھ فن کار، کچھ چوٹی کے اخبار نویس اور کچھ شہر کے نیتا جمع ہو گئے۔ کسی میز پر سیاست کی گفتگو ہو رہی ہے، کہیں ہندی کی چندی نکالی جا رہی ہے، کہیں جوش کی شاعری میں خطابت پر تبصرہ ہو رہا ہے، کہیں بھگوتی چرن ورما اپنی تازہ نظم سنا رہے ہیں، ایک طرف لوہیا اپنے مخصوص انداز میں کانگریس اور پنڈت نہرو پر فقرے کس رہے ہیں، دوسری طرف ڈی۔ پی مکرجی موسیقی اور آرٹ پر انداز گل افشانی گفتار دکھا رہے ہیں۔ پیچھے دروازہ کھلا اور آچاریہ نریندر دیو داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بیٹھے اور چل دیے۔ راقم الحروف نے پوچھا آچاریہ جی ایسی بھی کیا جلدی۔ تو فرمانے لگے کہ بھائی باہر گاڑی میں گپتا جی بیٹھے ہوئے ہیں۔ یونی ورسٹی کی ایگزیکیٹو کونسل کی میٹنگ تھی میں نے ان سے کہا کہ چلیے کافی ہاؤس ہوتے چلیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ آپ ہو آیے میں بیٹھا رہوں گا۔ میں کافی ہاؤس نہیں جاتا۔ سنا ہے وہاں شراب پی جاتی ہے۔ اس پر سب نے قہقہہ لگایا، جس میں سب سے بلند قہقہہ خود آچاریہ جی کا تھا۔

اسی کافی ہاؤس میں ایک شام کو مجاز کچھ بجھے ہوئے سے بیٹھے تھے۔ راقم الحروف نے کافی کا آرڈر دیا۔ مجاز کو بھی دعوت دی۔ فرمانے لگے حضور صاحب کافی مجھے "سوٹ" نہیں کرتی۔ کچھ لوگ یہاں بلاناغہ آتے تھے، اگر کسی دن نہیں آتے تھے تو لوگ ان کے گھر خیریت دریافت کرنے پہنچتے تھے کہ آج کیا غیر معمولی بات ہو گئی۔ پھر یہاں کے بھی آداب تھے۔ مثلاً شام کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھنا عین وضعداری تھا، یہ نہیں کہ جمے ہوئے ہیں۔ دن میں حاضری چھٹی کے دن ہوتی تھی۔ جو کوئی بزرگ ہوتا وہ میز کے سب ساتھیوں کا بل ادا کرتا۔ اٹھنے کے بعد کتابوں کی دکان کا ایک چکر ضروری تھا۔ کوئی نئی کتاب مل گئی تو لے آئے۔ ورنہ پرانی کتابوں کو ہی الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ لکھنؤ کی تہذیبی زندگی میں کافی ہاؤس کو بڑی اہمیت حاصل تھی گپتا جی کے اقتدار پر پہلی ضرب لگانے والے یہی کافی ہاؤس کے "نمازی پارسا" تھے۔

اسٹوڈینٹس اردو لائبریری لکھنیا کی سالگرہ

یہ لائبریری بیس سال سے قائم ہے۔ امسال اس کی بیسویں سالگرہ کے موقع پر حسب ذیل سہ روزہ پروگرام پیش کیا گیا

۱۔ ۱۲ر اکتوبر کو چھ بجے شام جناب غلام سرور ایڈیٹر سنگم نے اپنی افتتاحیہ تقریر میں اردو، اتحاد باہمی اور تعلیمی و ادبی اداروں کی غرض و غایت کے سلسلے میں تقریر کی۔ بعد میں سکریٹری نے سالانہ رپورٹ سنائی

۲۔ ۱۳ر اکتوبر کو ساڑھے سات بجے شام سے تقریروں اور نظم نگاری کے مقابلے ہوئے۔ بعد میں تقسیم انعامات کے بعد طرحی مشاعرہ ہوا۔

رئیس مینائی بنگلوری

حضرت شاد عارفی کے خطوط
فضا کوثری کے نام

شاد عارفی اردو کے ایک منفرد اور اپنے طرز کے ایک انوکھے غزل گو شاعر اور بھارت کی قدیم تہذیبی اور تمدنی قدروں کے دلدادہ تھے اور ہماری نئی جمہوریت حب الوطنی اور آزادی کے نشہ سے سرشار تھے وہ بڑے غیور و خوددار شاعر تھے زندگی کے تلخ و سنگین حقائق سے ہمیشہ برسرپیکار رہے لیکن پاس خودداری نے تادم مرگ ان کو زندگی سے مفاہمت اور سمجھوتہ نہ کرنے دیا ان کے کلام میں طنز تلخی اور تلوار کی سی کاٹ تھی زبان کا رکھ رکھاؤ اور انداز و اسلوب اور فکر و نظر کی گہرائی و گیرائی شاد عارفی کا طرۂ امتیاز تھا وہ سماج کی دکھتی رگ اس کے فاسد مادّے اور تلخ حقیقت پر بڑی چابکدستی سے نشتر زنی کرتے تھے یہ نامی گرامی شاعر ہمیشہ اپنے اہل وطن کی بے اعتنائی اور سرد مہری کا شکار رہا بالآخر اس کو مجبوراً کہنا پڑا۔

جہاں میں رہ رہا ہوں نام اس کا رامپور ہے
یہی تو قدر دانی ادب سے دور دور ہے

شاد عارفی نے جو قیمتی اثاثہ غزلوں نظموں اور قطعات کے روپ میں چھوڑا ہے وہ ایسے نقوش کی حیثیت رکھتا ہے جن کے سامنے سینکڑوں رعنائیاں رنگینیاں اور سحر کاریاں پھیکی پڑ جاتی ہیں۔

کہ چنیں دیوانہ ہشیار پیدا می شود

اب میں جناب فضا کوثری کے نام حضرت شاد عارفی کے خطوط پیش کرتا ہوں جو غیر مطبوعہ ہیں فضا کوثری ریاست میسور کے ایک خوش فکر ادیب اور خوش گو شاعر ہیں اور شاد عارفی کے عزیز ترین شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شاد عارفی سے ان کے مراسم بڑے گہرے تھے یہ خطوط شاد صاحب کی زندگی کے ان حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ جب وہ انتہائی عسرت اور خانگی پریشانیوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے اپنی نجی زندگی کے یہ واقعات انھوں نے فضا صاحب کو بے کم و کاست اور پوری صداقت کے ساتھ لکھ دیئے تھے یہ خطوط اس نیت سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ کہ ہمیں علم ہو سکے کہ ہمارے شاعر و ادیب کیسی کیسی ذہنی دوزخوں میں سے گزرا کرتے تھے اور اہل علم کی ناقدری کا عالم کیا ہوتا تھا ان خطوط کے مطالعے کے بعد لنکن سپینسر کا یہ قول یاد آتا ہے کہ خطوط کو اہم بنانے میں لکھنے والے کے خلوص براہِ راست اظہار مطلب اور صداقت واقعہ کو بڑا دخل ہوتا ہے بہرحال یہ خطوط اس وجہ سے بھی اہم ہیں کہ ان میں شاد عارفی کے ادبی مشاغل اور نجی کیفیات کا پرتو جن سے کئی اہم باتیں قاری کے علم میں آتی ہیں اور دیگر خطوط میں بعض ادبی معاملات کی طرف اشارہ ہے۔

اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود بربست و چشم ما کشاد

(۱)

۷ر اگست ۱۹۶۱ء

عزیزم فضا! دعائیں

کل لفافہ ڈال چکا ہوں مل گیا ہوگا، آج تمہارے دوسرے خط کا جواب دے رہا ہوں شدید زکام کی حالت میں ہوں فضا بالفتح خلائے بسیط کے معنی میں درست ہے اور بالکسر اپنے دوسرے معنی میں درست ہے۔ اس لیے فضا بالکسر بھی غلط نہیں مگر اس کے معنے خلائے بسیط نہیں رہیں گے۔ برق کے ساتھ مصرع کی ابتدا "بسی" یائے معروف سے ہونی چاہیے۔ جو غالباً میں بتانا بھول گیا تھا اب "بسے" کی جگہ "بسی" "بنالو" وہ برق" سے مراد" وہ محبوب" اس کا" جمال مع جلال" ہلے... اور... تو ٹھیک ہیں"... دونوں غلط گو ہیں ان کے اندازِ کلام سے بچو

دعاگو　(شاد عارفی)

(۲)

۲۲ر اگست ۱۹۶۱ء

عزیزم فضا! دعائیں

کل تمہارے خط کا جواب مع اصلاحی قطعے روانہ کر چکا ہوں۔ اب اس کارڈ کا جواب یہ ہے انجمن اتحاد و ترقی میں (و) عطف کا مطلب یہ اور ترقی جو ہر قسم کی ہو سکتی ہے اس لیے یہ صحیح ہے۔ اور "ترقی اتحاد" کا مطلب صرف اتحاد کی ترقی کی انجمن جس کا مقصد صرف ایک ہوگا۔ اور اتحاد و ترقی دونوں ہیں کیونکہ "واو عطف" اس طرف اشارہ کرتا ہے نام اپنی جگہ صحیح ہے۔

دعاگو　(شاد عارفی)

(۳)

۱۰ر ستمبر ۱۹۶۱ء

عزیزم فضا! دعائیں

میری طبیعت بہت خراب چل رہی ہے گزشتہ سنیچر کو کوٹگری کالج کے لڑکے مشاعرے میں خوشامد کر کے طرح طرح کے زور ڈال کر لے گئے تھے۔ وہاں ٹھنڈ لگی دوسرے دن ایک ادبی انجمن کے افتتاح کے سلسلے میں صدارت اور تقسیم انعامات کے تحت لے گئے وہاں خطبے وغیرہ پڑھے جانے کے بعد مشاعرہ ہوا پھر تقسیم انعامات صبح کے ۴ بجے چھٹکارا ہوا سردی اور پسینے کے زکام نے مزید تکلیف پہنچا دی بڑا کوٹ یا کمبل

۱؎ شاد عارفی مرحوم نے دورِ حاضر کے دو معروف غزل گو شاعروں کے نام لکھے تھے میں نے مصلحتاً ان دونوں شاعروں کے نام حذف کر دئے اس "خیانت" کے لیے میں شاد صاحب کی روح سے معذرت خواہ ہوں ۱۲　(ر۔م)

۲؎ بنگا راجیت جیسی "سنگلاخ" زمین میں فضا کوثری نے ایک ادبی بزم کی داغ بیل ڈالی تھی۔

نہ ہونے کے عذر پر مانگے کا کوٹ لا دیا۔ اور کمبل بھی پیش کیا جسے میری غیرت نے قبول نہیں کیا صرف جواہر کٹ اور گاندھی کورٹ میں رات بسر کی سوئٹر اتنا چھلنی ہو چکا ہے یعنی کیڑے نے اتنا چاٹ لیا ہے کہ وہ جالیدار بنیان بن گیا ہے بہر حال۔۔۔۔ برسر اولاد آدم ہر چہ بد گذرد تم موقعہ نکال کر نظر آؤ تاکہ باہث نہ گفتگو ہو سکے ہیں اور بزم کے صدر صاحب عارفی خاص طور سے منتظر ہیں دعاگو (شادؔ عارفی)

(۴)

۹ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفقاؔ! دعائیں

میں بچ تو گیا ہوں مگر کمزور بہت ہوں انجکشن جاری ہیں اور دوا بھی چل رہی ہے لکھنے پڑھنے کی ممانعت ہے مگر مجبوراً یہ سلسلہ بھی جاری ہے۔ میں نے قطعے بھی بھیج دئے تھے یہاں تلاش کرتے پر نہیں ملے دوبارہ بھیجو تاکہ انھیں درست کر دوں خطوں کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے جن اندھوں کو سوجھتا نہیں انھیں چراغ دکھانے سے کیا حاصل ادھر یہ کہ آخری وقت میں خوشادی زندگی گزارنی اپنے پچھلے کردار پر کیچڑ ڈالنا ہے تم بھی خاموش رہو۔ یہ زندگی بہر حال گزر ہی جائے گی مگر بات رہ جائے گی بھیک کے ٹکڑے اگر مقدر ہیں۔۔۔ تو پھر۔ اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو۔ فقط

(احمد علی شادؔ عارفی)

(۵)

۱۷ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفقاؔ! دعائیں

غزل دیکھ کر بھیج رہا ہوں بھئی عمر کا صحیح تو نہیں معلوم لیکن میری والدہ بتایا کرتی تھیں کہ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۳ء کے کسی درمیانی سال میں میری پیدائش ہوئی تھی زیادہ بوڑھا ہونا کوئی بھی نہیں پسند کرتا اس لیے میں بھی ۱۹۰۳ء کی موافقت میں ہوں۔ تم میری عمر کا اندازہ کرنا چاہتے ہو اس لیے تم بھی ۱۹۰۳ء میرا سن پیدائش مان لو یہ ٹھیک۔۔۔ ہر کہیں سرمایہ پرستی کے خلاف ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں سرمایہ داروں کے منہ پر تھوکوں میں ایسی غیر اخلاقی اور غیر ادبی حرکت کو کبھی جائز نہیں سمجھتا میں سرمایہ کی تقسیم جائز اور مناسب اخلاقی طریقہ پر چاہتا ہوں میں تشدد کا قطعاً حامی نہیں اس مقطع سے مزید روشنی مل سکتی ہے۔

شادؔ حاصل ہو جسے غم سے فراغ کامل
کیوں یہ چاہوں کہ خدا اس کو پریشاں کر دے

دعاگو (شادؔ عارفی)

(۶)

یکم نومبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفقاؔ! دعائیں

تمہارے قطعات[1] کہاں تک دیکھ جلد ہی دیکھ کر بھیجوں گا میں بھی انسان ہوں کوئی مشین تو نہیں ہوں جو ہر وقت کام کرتا رہوں۔ پھر مشین کو بھی کبھی تیل مل جاتا ہے لیکن یہاں تو وہ بھی نہیں۔ اپنے مطلب کی ہر کوئی کہتا ہے لیکن میری کوئی بھی نہیں سنتا۔ کوئی کہتا ہے شادؔ صاحب میرے رسالے کے لیے تازہ غزل بھیج دیجئے۔ کسی کو تازہ نظم کی ضرورت ہے کوئی سوانح عمری مانگتا ہے کسی کو اپنے سالنامے کے لیے فوٹو کی ضرورت ہوتی ہے کوئی اپنے پیر و مرشد کے انتقال کے بعد قطعہ تاریخ کہلوانا چاہتا ہے کسی کے بھائی کی شادی شادمانی کے سہرے کی وجہ سے رکی ہوئی ہے کوئی کتاب پر رائے مانگتا ہے۔ غرضیکہ میری جان مصیبت میں ہے لوگ سمجھتے ہیں میں مغرور ہو گیا ہوں۔ بد دماغ ہوں بعض مجھے مجنوں و فرہاد سے الگ۔ ایک اور خطاب بھی دے چکے ہیں "مست کتا" جی ہاں شادؔ عارفی مست کتا" ہی تو ہے اس نے اپنی ضرورتوں کا کیوں اظہار کر دیا ہوا کھانا اور جب کسی بھی ظلم اور ستم پر اف یا آہ نہ کرتا تب شادؔ عارفی عقلمند ہوتا خیر یہ کوتری۔ بعض وقت ان باتوں کو سن کر یہ سوچنے لگتا ہوں اس شاعری داری کو چھوڑ بھی دوں آخر کیا فائدہ اس شاعری سے جس کا حاصل صفر ہو۔ کیا فائدہ اس فن کی خدمت کرنے سے جس کے قدر داں بد ذوق ہو چکے ہوں جہاں فنکار کی قدر و قیمت کا معیار رشوت اور گرا ہوا ایسے ماحول میں شاعری کرنے سے فائدہ ہے

مجھے اے شادؔ ان رجعت پسندوں تو کیا لینا
کرے گی یاد مستقبل کی تہذیب جوان مجھ کو

عبد البشیر خاں سلام کہتے ہیں باقی حال بدستور

دعاگو (شادؔ عارفی)

(۷)

۱۴ر نومبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفقاؔ! دعائیں

لفظ "ملا" تمہارے قطعہ میں "کے" لکھنے سے رہ گیا ہو گا میرا مطلع تم تھوڑا غور کرتے تو سمجھ میں آ جاتا۔ اب مجروح سلطانپوری سے صفائی ہو گئی ہے اب وہ مجھ سے بہت ہمدردی برت رہے ہیں میری بہت سی غزلیں اور نظمیں منگوائی ہیں اور بار بار میرے لیے ملازمت کا سوال کیا ہے

دعاگو (شادؔ عارفی)

(۸)

۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفقاؔ! دعائیں

عقد اور نکاح کو ہم معنی کون کہتا ہے۔ "عقد نکاح" بہت صحیح ترکیب ہے۔ صرف عقد کے معنی "گرہ" کے ہیں جو نکاح کے ساتھ

---

[1] نفقاؔ کوثری کے حسین و جمیل اور فکر انگیز قطعات کا مجموعہ "نو رسا" کے نام سے زیر ترتیب ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵ پر)

اختر نظمی

میری راتیں

ساتھ مرے جاگا کرتے ہیں
چاند ستارے میت ہیں میرے
رات کی رانی کی خوشبو سے
جیکے جیکے گیت ہیں میرے

بھینی بھینی تنہائی میں
فکرِ سخن کرتا رہتا ہوں
یاد کی دھندلی تصویروں میں
رنگ نئے بھرتا رہتا ہوں
اک تصویر مکمل کر کے
چپٹا لیتا ہوں سینے سے

پھر یادوں میں کھو جاتا ہوں
اور، جانے کب سو جاتا ہوں

سید فضل المتین

آگہی

بہت سی غم زدہ راتیں، پریشاں دن
اسی امید، حسرت میں، گذارے ہیں
تلطف آشنا، وہ مہرباں، ہمدردِ دل آرا
گھٹا آتی، برس جاتی
مری کشتِ تمنا پھر ہری ہوتی
میرے ویرانۂ دل میں
بہارِ عہد رفتہ لوٹ کر آتی
شگوفے مسکراتے عہدِ دیرینہ کے

خدا جانے ستمگر بن گئے ہیں، کیوں؟
بہ لطفِ جان لیوا، دل شکن، پردرد، غم آگیں

مجھے احساس ہوتا ہے
مری ناکام حسرت کا خزاں بردوش یہ موسم
مری کشتِ تمنا کو، ہری ہونے نہیں دے گا
میرے ویرانۂ دل میں
مری تشنہ امیدوں کے، یہ سوکھے زرد رو پتے
یونہی، عہدِ گزشتہ کے فسانے گنگنائیں گے
مجھے احساسِ تنہائی پہ اکثر خوں رلائیں گے

(بقیہ صفحہ ۴ کا)

بندھن کا مفہوم دیتا ہے۔ اس لیے جو لوگ عقد کو "نکاح" کے معنی میں لیتے ہیں وہ سراسر غلطی کرتے ہیں تم "عقد نکاح" کو نوٹ کرو معترض جاہل لوگ ہوں گے باقی حال بدستور ادھر اولے پڑ گئے تھے اس لیے سردی سے زکام ہوگیا ہے مگر قابل برداشت (شاد عارفی)

(۹)

۱۶ر دسمبر ۱۹۶۱ء

عزیزی نفشاں دعائیں

تم نے لکھا ہے کہ لوگ میری شاعری کی تلخی پر مجھ سے ناراض ہوتے ہیں لیکن اونچے اونچے محلوں میں رہنے والے میری حالت کا کیا اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ میں کیوں اس قدر گرم اور تیز چیزیں لکھتا ہوں ان کو عیش و عشرت کے تمام سامان مہیا ہیں۔ وہ تصور بھی میرے بارے میں کبھی نہیں سوچ سکتے میں کس مقام سے اور کس حال میں شاعری کرتا ہوں۔ اس کا ان کو کیا پتہ۔ ان کو شوخ کلام چاہیے جس پر وہ داد (جس کو میں بیداد تصور کرتا ہوں) کے خشک ڈونگرے برسا دیں۔ میری بھتیجی "الیاسی" میرا ساتھ اس قدر نہیں دیتی تو میں کبھی کا ملک عدم کو پہنچ بھی گیا ہوتا وہ برابر میری پریشانیوں میں شریک ہے۔ عبدالبشیر خاں سلام کہتے ہیں

دعاگو (شاد عارفی)

(۱۰)

۲۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفشاں! دعائیں

غزلیں دیکھ کر بھیج رہا ہوں مطالعہ میں زیادہ وقت صرف کرو میرے مجموعے سے اسلوب اور انداز بیان اخذ کرو۔ غزل کم سے کم ۱۵ شعروں کی کہا کرو قافیہ کم ہوں تو انھیں قافیوں سے کام لو تھوڑے تھوڑے شعروں کی چند غزلیں کہیں، قوت بیان سے دور رکھیں گی ایک غزل پر زیادہ سے زیادہ تصور و تخیل صرف کرو نئے نئے رخوں سے شعر کہنے کی عادت ڈالو۔ باقی حال بدستور فقط (شاد عارفی)

رامپور میں لڑکیوں کا نیا اسکول

رامپور میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ایک نیا اسکول فاطمہ اقبال مسلم گرلز ہائر سکنڈری اسکول کے نام سے قائم ہوگیا ہے۔
(ہیڈ مسٹریس)

نفیس سندیلوی

رسالہ المعلومات اور اس کے مدیر مولوی ولایت احمد مرحوم

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۹۲ء میں "جناب سید فضل متین صاحب کا ایک جائزہ "جے پور کے اردو رسائل اور اخبارات" میری نظر سے گزرا۔ ان کی معلومات کے لیے "رسالہ المعلومات" اور اس کے ایڈیٹر مولوی ولایت احمد صاحب مترجم "قدیم ہندوستان کی تہذیب" کے متعلق عرض خدمت ہے۔

مولوی ولایت احمد بن مولوی محمد نیاز علی پریشان[۱] بن مولوی رجب علی بن مولوی محمد معین بن مولوی محمد مکین بن مولوی حافظ اسد علی بن حجۃ المحققین حضرت مولانا حکیم شاہ محمد اللہ قادری شارح مسلم سندیلوی المخاطب بہ ملک العلماء افضل اللہ خاںؒ طبیب خاص محمد شاہ بادشاہ دہلی۔ ۱۸۵۲ء میں بمقام متھرا پیدا ہوئے۔ عربی فارسی سنسکرت اور انگریزی پر دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ ابتدائی عمر میں بدایوں میں ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز رہے پھر جے پور میں منشی شیخ صفدر علی صاحب مرحوم علوی مخدوم زادہ کاکوروی کی دختر سے شادی ہونے کی وجہ سے جے پور میں قیام رہا اور تمام عمر ایک قلیل تنخواہ پر بسر کر دی۔ محکمہ رجسٹری میں سررشتہ دار تھے۔

مہاراجہ سر کرشن پرشاد شاد نے از راہ قدردانی حیدر آباد یاد فرمایا مگر بطالف الحیل تشریف نہیں لے گئے۔

چھریرہ جسم، دراز قامت، صاف رنگ، بڑی بڑی آنکھیں بلند پیشانی، پتلی ستواں ناک، خوش شکل، وشباہت سے ذہانت و ذکاوت جھلکتی تھی مزاج میں غصہ اور تیزی زیادہ تھی۔ لباس بہت سادہ اور معمولی زیب تن فرماتے آرائش و زیبائش اور نمود و نمائش سے بالکل بے نیاز تھے جیسا باکمال لوگوں کا طریقہ ہے۔ امراء سے ملنے میں ہمیشہ اجتناب فرماتے۔ غریب طبقے کے لوگوں سے زیادہ ملتے تھے۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر اکبر آبادی سے تلمذ تھا اور مظطر تخلص فرماتے۔ حضرت جمال الدین ہانسوی قدس سرہ کے سلسلے میں بیعت تھے اور رشتے میں جے پور کے مشہور شاعر استاد حضرت مولانا کوثر مرحوم کے چچا زاد بھائی تھے۔

آپ نے مشہور انگریزی بنگالی مصنف رمیش چندر دت کی مشہور کتاب The Kiviliz ation of Ancient India کا اردو ترجمہ "قدیم ہندوستان کی تہذیب" کے نام سے کیا ہے یہ کتاب نہایت اہتمام سے چھپی ہے اس کے شروع میں آپ کا ایک طویل مقدمہ ہے جس سے آپ کے وسیع مطالعہ اور قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی اور سنسکرت زبانوں کے ترجمہ کرنے پر آپ کو فاضلانہ قدرت حاصل تھی۔

رسالہ "الکمال" جے پور ماہ اگست اور ستمبر ۱۹۰۶ء میں آپ کا ایک تاریخی مضمون "یونانی ہیروز" کے عنوان سے چھپا ہے اس مضمون کے متعلق حکیم مولوی واحد علی خاں صاحب شیخ کا ایک تعارفی نوٹ ہے۔

> "ہمارے لائق کرم فرما جناب مولوی ولایت احمد صاحب جانی سے غالباً ناظرین رسالہ ناواقف نہ ہوں گے آپ منجملہ ان مشاہیر کے ہیں جن کو انگریزی زبان سے اردو ترجمہ کرنے میں خاص دستگاہ حاصل ہے چنانچہ آپ کی مترجمہ تاریخ گبن رومن امپائر "زوال سلطنت رومتہ الکبریٰ" ہمارے اس دعویٰ کے لیے شاہد عادل ہے جو چار پانچ برس ہوئے آپ کی زیر ایڈیٹری رسالہ المعلومات کے ہمراہ مع مبسوط فٹ نوٹس کے شایع ہوئی تھی مگر افسوس ہے کہ وہ رسالہ ابتدائی حالت میں ملک کی عدم توجہی اور ناقدردانی کے باعث چند نمبر نکل کر بند ہو گیا۔ یہ ترجمہ اور اس کے فٹ نوٹس نہ صرف آپ کو اعلیٰ مترجم کا لقب دیتے ہیں بلکہ وسیع النظر متبحر مورخ محقق بھی ظاہر کرتے ہیں۔ ہمیشہ آپ مفید تاریخی کتابوں کا ترجمہ فرماتے رہتے ہیں۔"

آپ کی نثر سے میں نمونے کے طور پر چند سطر پیش کرتا ہوں جس سے آپ کی طرز نگارش کا اندازہ ہوگا۔

> "ہندوؤں کی دیومالا (میتھالوجی) بھی بہت عجیب و غریب ہے یونانیوں، رومیوں اور تمام بت پرست قوموں کی دیومالاؤں سے وہ زیادہ وسیع ہے اس کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ قدیم آریوں اور ان کے بعد کے ہندوؤں نے مظاہر قدرت کی محض تعظیم ہی نہیں کی بلکہ انھوں نے ہر عجیب چیز اور ہر متنوع شے کو اپنی خوش اعتقادی سے قابل عبادت تصور کیا انھوں نے آبائے علوی اور امہات سفلی کا کامل ادب کیا انھوں نے موالید ثلاثہ کی سر آنکھوں سے تکریم کی اور انھوں نے عجائبات قدرت کا مجلوس

۱۔ یہ وہی محمد نیاز علی پریشاں ہیں جنھوں نے آگرے میں ۱۸۹۰ء میں ایک عظیم الشان مشاعرہ کیا تھا جو [illegible] کی کوٹھی پر منعقد ہوا، مشہور عالم [illegible] نے اپنے خطبات میں اس مشاعرے کا ذکر کیا ہے اور پروفیسر مولوی حامد حسن قادری مرحوم نے اپنی کتاب نقد و نظر صفحہ ۱۲۲ پر اس قدیم مشاعرے کا تذکرہ کیا ہے جو پہلے رسالہ عالمگیر لاہور بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۶ء میں شایع ہوا ہے۔ تذکرہ "شعر و سخن" اس کا تاریخی نام ہے اس میں [illegible] حالات اس میں لکھا ہے

احترام کیا غرضکہ انھوں نے جو کچھ اپنی ترقی کے دور میں کیا وہ دوسری اقوام سے بہت بڑھ چڑھ کر کیا اور ایسا کیا کہ آج بھی ان کا ذکر عزت سے کیا جاتا ہے غرض ریاضی، ہیئت، فلسفہ، منطق، موسیقی اور فنون لطیفہ میں ہندوؤں نے جب کہ دنیا گھٹنوں کے بل چل رہی تھی اس درجہ کمال حاصل کیا کہ آج ہمارے زمانے کی تعلیم یافتہ دنیا بھی مداح ہے۔"

آپ نے ماہ رمضان ۱۳۴۵ھ بعارضہ ہیضہ وفات پائی

رسالہ المعلومات

۱۸۹۹ء میں آپ نے "المعلومات" جے پور سے جاری کیا۔ یہ رسالہ کل ایک سال تک ۱۲ پرچے نکال کر بند ہوگیا۔ یہ رسالہ "صوفی قادر پریس آگرہ" میں شایع ہوتا تھا کاغذ اور کتابت نہایت عمدہ تھی اس پرچے میں صرف دو مضمون ہوتے تھے اور دونوں ترجمہ ہوتے تھے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ ہوتا اور دوسرا "تاریخ گبن" کا ترجمہ۔ یہ پرچہ اپنی نوعیت کا واحد پرچہ تھا۔ آپ کا مقصد دنیائے اردو کو ترجموں سے روشناس کرانا تھا۔

آپ نے رگ وید کا بھی ترجمہ کیا تھا۔ راقم نے اس کا مسودہ اور رسالہ المعلومات کے دونوں ترجمے کتاب کی شکل میں ترتیب دے کر ظہور صاحب ہاشمی بھوپالی کو دیدیے تھے جو ۱۹۳۶ء میں جے پور اردو زبان کے جائزہ کے لیے تشریف لائے تھے تاکہ وہ ان کو انجمن کے کتب خانے میں دیدیں۔

رسالہ "الکمال" جے پور سے ۱۹۰۹ء میں نکلتا تھا اس کے مدیر حکیم مولوی واحد علی خاں صاحب مسیحؔ مرحوم اور منشی عبدالمجید صاحب اختر فرخ آبادی تھے۔ حکیم صاحب مسیحؔ تخلص فرماتے تھے اور حضرت ظہیرؔ دہلوی مرحوم کے شاگرد تھے۔ سادات میں سے تھے خاں، غالباً خاندانی شاہی خطاب تھا۔ میں مرحوم سے بارہا ملا ہوں بڑے خلیق اور منکسر مزاج شخص تھے جب ملتے بہت خلوص اور تپاک سے ملتے۔ طبیہ کالج جے پور میں استاذ بھی تھے چند سال ہوئے کہ انتقال فرمایا۔ "الکمال" اس زمانے کے پرچوں میں نہایت عمدہ پرچہ تھا علمی، ادبی مضامین کے علاوہ طرحی مشاعروں کی غزلیں اور نسخے بھی ہوتے تھے۔

رسالہ "قوم" حضرت ریاض خیر آبادی مرحوم کے پرچے عطر فتنہ کے سائز پر نکلتا تھا۔ یہ پرچہ پندرہ روزہ بھی نکلا ہے اس پرچے میں میرے عم معظم حضرت مولانا کوثر مرحوم کا کلام اکثر شایع ہوتا تھا۔ یہ تمام پرچے میرے پاس جے پور میں تھے جے پور چھوٹنے پر وہیں رہ گئے اور ضائع ہوگئے غالباً ان پرچوں کی جلدیں "تسلیم منزل" جے پور میں محفوظ ہوں گی۔

مناظر عاشق ہرگانوی

اردو کا پہلا اخبار

مورخہ ۱۵ ر دسمبر ۱۹۶۳ء کے "ہماری زبان" میں رئیس مینائی صاحب کا مضمون "جامع الاخبار" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس کی ابتدا وہ اس طرح کرتے ہیں "قدیم سرمایہ کی تلاش و جستجو، چھان بین اور تحقیقات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اردو کا پہلا اخبار[1] ماسٹر رام چندر داس نے "خیر خواہ ہند" کے نام سے نکالا تھا"۔ رئیس مینائی صاحب نے اس امر کی وضاحت نہیں کی ہے کہ مذکورہ بصدر اخبار کا اجرا کب ہوا؟ پھر بھی ان کے حاشیہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی محمد باقر کے اخبار سے زیادہ سے زیادہ دو چار سال قبل نکلنا شروع ہوا ہوگا۔ لیکن "خیر خواہ ہند" کو اردو کا پہلا اخبار نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ہندوستان کا پہلا اخبار اور صرف ہندوستان کا ہی نہیں بلکہ دنیا میں فارسی زبان کا پہلا اخبار راجہ رام موہن رائے کا اخبار "مرآۃ الاخبار" تھا جو ۱۸۲۲ء سے نکلنا شروع ہوا تھا اور ہندوستان کے علاوہ ایران اور وسط ایشیا کے ان تمام ملکوں میں جاتا تھا جہاں فارسی بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ فارسی زبان میں دوسرا اخبار "جام جہاں نما" تھا جو "مرآۃ الاخبار" کے اجرا کے دو تین ہفتہ بعد سے ہی شائع ہونا شروع ہوگیا تھا اور ٹھیک ایک سال بعد یعنی ۱۸۲۳ء سے جس کا اردو ضمیمہ بھی شائع ہونے لگا تھا جو بجائے خود ایک اخبار تھا اور اسی کو اردو زبان کا پہلا اخبار سمجھنا چاہیے۔

ابھی مزید تحقیق جاری ہے اور قیاس کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ "جام جہاں نما" اور "خیر خواہ ہند" کے درمیانی وقفے میں اور بھی اردو اخبار نکلے ہوں گے۔

---

[1] محمد حسین آزاد کے والد محمد باقر نے ۱۸۳۶ء میں دہلی سے اردو اخبار جاری کیا۔ ۱۸۳۷ء میں سید الاخبار نکلا اور ۱۸۴۲ء میں "مظہر الحق" نامی اخبار شائع ہونے لگا۔
(رئیس مینائی)

اظہار کا جدید شعری ذہن نمبر

۱۹۶۵ء کے شروع میں بمبئی سے ایک نیا ادبی جریدہ "اظہار" شایع ہو رہا ہے اس کی پہلی پیشکش "جدید شعری ذہن نمبر" ہوگی جسے قاضی سلیم، باقر مہدی اور گریش چندر مرتب کر رہے ہیں اس کی قیمت دس روپے ہوگی ملنے کا پتہ ۳۰، چوپاٹی روڈ بمبئی نمبر ۷ ہے

کاتب کی کرشمہ سازی

ماہنامہ "آج کل" بابت اکتوبر ۱۹۶۲ء میں عبدالمجید سہالوی کا ایک مضمون "کاتب کی کرشمہ سازی" کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔ واقعی مضمون نگار نے مزاح نگاری کی کامیاب کوشش کی ہے ایک جگہ غالب کا ایک شعر انھوں نے یوں نقل کیا ہے۔

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہے عاشق کا گریباں ہونا

مجھے یقین ہے کہ غالب نے دونوں مصرعوں میں قسمت نہیں لکھا ہے۔ اب بوقت تحریر میرے پاس نسخۂ حمیدیہ نہیں ہے پھر بھی یقین ہے کہ اس میں بھی قسمت ہی ہے اب سوچنا یہ ہے کہ آیا یہ بھی کاتب کی کرشمہ سازی ہے یا پروف ریڈر کی۔ اس سلسلہ میں حرف آخر کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ عبدالمجیب سہالوی یا اور کوئی صاحب ضرور اس معاملے میں لکھیں گے۔

(ایس نورالحسن انور ادیب)

نوٹ۔ جی ہاں دونوں مصرعوں میں قسمت ہی ہے۔ (ادارہ)

آنجہانی اور مرحوم

انجمن ترقی اردو ہند کے ہفتہ وار "ہماری زبان" میں چند دنوں پہلے کسی ہندو صاحب نے آنجہانی اور مرحوم کا فرق معلوم کرنے کے لیے ایک مختصر سا مراسلہ شایع کرایا تھا۔

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ ستمبر ۶۲ء میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے آنجہانی اور مرحوم کا فرق تو ظاہر نہیں فرمایا لیکن یہ لکھ کر ٹال دیا ہے "کہ مسئلہ ادبی نہیں مذہبی ہے اور اس لیے ہماری زبان کے صفحات پر نا قابل بحث"۔

آل احمد صاحب سرور اردو کے ممتاز اہل قلم اور مولانا عبدالماجد "سچ" اور "صدق" کے مشہور ایڈیٹر ہیں بحیثیت ایڈیٹر آل احمد صاحب کو اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا چاہیے تھا۔

غالباً یہ وہی عبدالماجد صاحب ہیں جو حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی کے ابتدائی دور میں فلسفہ کے پروفیسر تھے اور جن کی تصنیف "فلسفۂ جذبات" پر مقامی روزنامہ "صحیفہ" میں کئی دنوں تک ایک دلچسپ مذہبی بحث چھڑ گئی تھی جو بعد میں اس قدر تلخی اختیار کر گئی کہ مولانا کے خلاف متعدد فتاوے صادر ہوئے اور مولانا موصوف کو حیدرآباد چھوڑنا پڑا۔

بات یہ تھی کہ مولانا نے اپنی تصنیف میں مہاتما بدھ، حضرت مسیح حضرت محمد اور دیگر مقدس و محترم ہستیوں کو ایک ہی صف میں شمار کیا تھا لیکن اسلامی عقیدہ کے مطابق آنحضرتؐ دنیا کے جملہ بزرگوں سے افضل و ممتاز ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ رہا۔

رسائل اور اخبارات میں مہاراجہ آنجہانی (سر کشن پرشاد) سرشار آنجہانی چکبست آنجہانی وغیرہ اور غالب مرحوم، اقبال مرحوم، مولانا آزاد مرحوم وغیرہ پڑھا کرتا تھا لیکن اس "آنجہانی اور مرحوم" کی طرف کبھی توجہ نہیں کی ایک دفعہ یوں ہی خیال پیدا ہوا اور اتفاق سے اس وقت نظام کالج حیدرآباد کے ایک پروفیسر بھی موجود تھے جو عربی اور فارسی کے عالم تھے ہم نے پروفیسر موصوف سے اس فرق کو ظاہر کرنے کی درخواست کی۔

پروفیسر صاحب کچھ دیر چپ رہے اور پھر رکتے رکتے فرمایا "بھئی یہ ایک عقیدہ کی بات ہے۔ ہمارا (مسلمانوں کا) خیال ہے کہ غیر مسلموں پر مرنے کے بعد رحمت خداوندی نازل نہیں ہوتی اس لیے وہ مرحوم کہلانے کے حق دار نہیں۔ مگر مرحوم کی بجائے متوفی یا آنجہانی الفاظ وضع کیے گئے جو غیر مسلموں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں"۔

مرحوم اور آنجہانی کا فرق جو دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا "ہماری زبان" کے ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔ (رشید کوہن)

نہرو سکے

خبریں گشت کر رہی ہیں کہ جلد ہی حکومت ہند پنڈت نہرو کی تصویر پر مشتمل روپیہ اور پچاس نئے پیسے کے سکے ڈھالنے والی ہے۔ جن پر صرف انگریزی اور ہندی زبانوں میں سکوں کا نام درج ہوگا۔

اول تو یہ جمہوری اصولوں کے بالکل منافی ہے۔ اور جمہوریت پسندی پر تازیانہ کا کام کرتی ہے

دوم یہ کہ ہم اردو والوں کے لیے بھی بڑی تکلیف دہ بات ہوگی، جن کی تعداد اس ملک کی اکثریتی زبان کی حیثیت سے واضح ہے یاد رہے کہ اعشاری سکوں پر پہلے ہی حکومت ہند کی نظر عنایت ہو چکی ہے۔

اور یہ سب اسی ہستی کے لیے نذر عقیدت ہے جس نے ہمیشہ اردو کو عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا ہے جو ہمیشہ سے اردو کا ہمدرد رہا ہے۔ اور جس نے اسی زبان کے سائے میں پرورش پائی۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت ہند اس پر بار بار غور کرے گی اور اردو والوں سے یہ گزارش ہے کہ وہ حکومت پر زور دیں کہ وہ ایسا کرنے سے گریز کرے۔ (نسیم سامانی)

انکشافات

(۱)

آج ایک ضرورت سے "ہماری زبان" سنہ ۵۶ء کا فائل دیکھا اس میں پسندیدہ اشعار کے تحت تیلا رشید صاحب نے ایک شعر یہ بھی انتخاب فرمایا ہے۔

شہر کے لڑکوں کی بر آئی مراد
بندے دیوانہ رہا ہو گیا

مگر موصوف نے استفہامیہ علامت لگا کر شاعر کے نام سے لاعلمی کا اظہار فرمایا ہے۔ اگرچہ عرصہ کافی گزر چکا ہے مگر اہل ذوق کو تلاش بھی ہے اس لئے میں مناسب جانتا ہوں کہ شاعر کے نام سے "ہماری زبان"

کے پڑھنے والوں کو مطلع کردیا جائے۔ یہ شعر نواب یوسف علی خاں یوسف ناظم تخلص کا ہے۔ اوران کے دیوان کی دونوں اشاعتوں میں موجود ہو

(اکبر علی خاں)

(۲)

یکم اگست ۶۶ء کے "ہماری زبان" میں جناب سید مسعود حسن رضوی ادیب نے ایک استفسار فرمایا ہے کہ یہ مرثیہ

"کھولا علم جو خسرو زریں کلاہ نے"

کس کا ہے؟ مراثی (بالخصوص خاندان انیس کی طرف جنکا انتساب ہے) کے بارے میں بھی جناب سید صاحب موصوف کو "سند" سمجھتے ہیں جب موصوف خود کسی مرثیہ کے متعلق مشکوک ہیں تو کون عقدہ کشائی کرسکتا ہے۔

مذکورہ بالا مرثیہ کے متعلق شہرت تو یہی ہے کہ یہ میر انس مرحوم کا ہے مگر اس مرثیہ کے بعض بند اور کچھ بیت خدائے سخن انیس کے نام سے مشہور ہیں؛

مرثیہ مذکورہ جناب عون و محمد کے حال میں ہے اور اس کے ایک بند کے حسب ذیل چار مصرعے انیس کی طرف منسوب ہیں سه

پوچھیں جو مجھ کو والدۂ آسماں مقام
کہدیجے کام مرگئے وہ بادشا غلام
پوچھا جو شہ نے ماں کو بھی دیتے ہو کچھ پیام
روکر کہا کہ داغ دل اور تحفۂ سلام

اور پھر یہ بیت بھی اسی مرثیہ میں ہے اور بلا شبہ انیس کی ہے

پیاسوں کو شوق وادی عنبر سرشت ہے
سنتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے

(خاکسار ذکی ملک پوری۔ پٹنہ)

مشکلاتِ غالب

اگر کوئی ادیب بڑا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ کبھی "غلطی" کرہی نہیں سکتا۔ کسی ادیب کی عظمت اس پر منحصر نہیں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے ہمیشہ سب کا سب "صحیح" بے عیب اور پاکیزہ ہوتا ہے۔

ماہ اگست کے "نگار" کراچی، میں علامہ نیاز فتح پوری کا مضمون کلام غالب کا خردبینی مطالعہ نظر سے گزرا۔ ایک شعر کے بارے میں علامہ کا خردبینی مطالعہ خود مزید "خردبینی" کا محتاج ہے۔

غالب کا شعر ہے۔

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

{نثر (PROSE ORDER) بیگانگی ہی دوستی کا پردہ ہے (اس لیے) ہم سے منہ چھپانا چھوڑ دینا چاہیے۔}

علامہ اس شعر کا مفہوم بتلاتے ہیں۔

"تمہاری یہی ادائے بیگانگی تو راز محبت فاش کردینے والی ہے۔ اگر تم مجھ سے اس طرح ملو جس طرح دوسروں سے برملا ملتے ہو تو کسی کو پتہ نہ چلے کہ مجھے تم سے محبت ہے"

غلط! غالب کا ہرگز یہ مفہوم نہیں۔ یہاں لوگوں سے "بیگانگی" کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوجاتی ہے۔ غالب کہنا یہ چاہتا ہے کہ محبوب اس کے سامنے بیگانہ وار آیا جایا کرے۔ کسی طور کوئی حجاب نہیں برتنا چاہیے دوستی یعنی محبت کو بیگانگی چھپا دیتی ہے۔ محبوب کو عاشق کے سامنے یوں آنا چاہیے کہ دیکھنے والوں کو کسی "لگاؤ" کا گمان تک نہ ہو۔ شرم وحجاب تو محبت کی دلیل ہے۔ یہاں لفظ "بیگانگی" "منہ چھپانا" کی ضد کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

یہ شعر یوں بھی ہوسکتا ہے۔

دوستی کا پردہ ہے بے پردگی
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

(نو نیاز)

الہ آباد میں شام جگر

الہ آباد ۱۱ اکتوبر۔ اراکین جگر میموریل کمیٹی ہند کے حالیہ فیصلہ کے مطابق جگر مرحوم کی یاد میں شام جگر کے اجلاس ۱۲ نومبر ۱۹۶۶ء کو دائرہ شاہ اجمل میں منعقد ہو رہے ہیں اس پروگرام میں بزم مقاصدہ شاہ و مشاعرہ میں جگر کمیٹی کے ترجمان نے ایک بیان میں کہا ہے کہ اس جلسہ میں شرکت کیلئے ہندوستان کے نامور نقاد اور شعرا حضرات کو دعوت نامے جاری کئے جاچکے ہیں اور ان کی منظوری کی اطلاعات ملنے پر ناموں کا اعلان کیا جائے گا ترجمان نے مزید کہا کہ اس جلسہ کا افتتاح اردو ادب سے قلبی لگاؤ رکھنے والے جناب ڈی۔ آر مومن منیجر لکھنؤ کارپوریشن کریں گے۔ (ریاست جدید پٹنہ)

شکایات

فرخ آباد میں اردو کی تعلیم

علاقہ گورسہائے گنج ضلع فرخ آباد میں اردو پڑھنے والے طلباء کی اکثریت ہے۔ اس سلسلہ میں مجموعی و انفرادی طور پر طلباء اور ان کے سرپرستوں کی طرف سے کئی درخواستیں پریسیڈنٹ ضلع پریشد ضلع فرخ آباد، پریسیڈنٹ ضلع کانگرس کمیٹی کی خدمت میں گزاری گئیں۔ مگر ہم لوگوں کی درخواستوں پر کسی قسم کا قدم اب تک نہیں اٹھایا گیا۔

اردو سے متعلق سرکار اور کانگرس پارٹی کی پالیسی کو ناکام بنانے کے لیے اس ضلع میں ان مقامات پر تو اردو ٹیچر دیے گئے جہاں اردو پڑھنے والوں کی تعداد نہیں کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر اس ضلع کے جونیئر ہائی اسکول دجس پور، تحصیل قنوج بلاک قنوج میں اردو ٹیچر دیا گیا ہے۔ جہاں اردو پڑھنے والوں کی تعداد صرف تین ہے جبکہ گورسہائے گنج جونیئر ہائی اسکول میں اردو پڑھنے کے لیے قریب قریب پچاس طلباء کی درخواستیں ضلع پریشد میں موجود ہیں۔

منڈل کانگرس کمیٹی گورسہائے گنج نے بھی اپنی تجویزوں کے ذریعہ اس علاقہ میں اردو ٹیچر دیئے جانے کی مانگ کی ہے۔ پھر بھی ضلع پریشد نے اردو پڑھانے کی اجازت نہیں دی۔

ایسی صورت میں ہم قومی آواز کے ذریعہ ریاستی کانگرس کے ذمہ دار حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ضلع کانگرس کمیٹی فرخ آباد کے ذریعہ چیرمین ضلع پریشد کو ہدایت کریں کہ وہ جلد از جلد جونیئر ہائی اسکول گورسہائے گنج بلاک تال گرام میں وہاں کے طلباء کی مانگ پر اردو ٹیچر کا انتظام کریں۔ ساتھ ہی گزارش ہے کہ ضلع میں اردو کے ساتھ ناانصافی کیے جانے کے سلسلہ میں انکوائری کی جائے تاکہ اس علاقہ کے لوگوں کے ساتھ انصاف ہو سکے۔

محمد حنیف صدیقی، اسمٰعیل پورہ گورسہائے گنج (ضلع فرخ آباد)
(منقول از قومی آواز لکھنؤ)

اندور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو قائم ہے لیکن کالجوں میں اردو زبان کا پتہ نہیں

اندور ۱۲ اکتوبر۔ ۱۹۴۷ء سے قبل یہاں کے تقریباً تمام کالجوں میں ایم۔ اے تک اردو و فارسی کی تعلیم کا معقول انتظام تھا۔ مگر ۱۷ سال سے تمام کالجوں سے اردو کو ختم کر کے اب تک سیکڑوں طلباء کو ان کی مادری زبان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ آگرہ یونیورسٹی اور وکرم یونیورسٹی اور اب اندور یونیورسٹی میں بھی باقاعدہ طور پر شعبہ اردو قائم کر دیا گیا ہے۔

لیکن اندور کے کسی بھی کالج میں اردو کلاسوں کا کوئی بندوبست نہیں ہے جب کہ اس زبان کے متعدد طلباء مجبوراً دوسرے مضامین اختیار کر کے اپنی تعلیم پوری کرتے رہتے ہیں۔ اب جب کہ اندور یونیورسٹی میں بھی شعبہ اردو باقاعدہ طور پر قائم ہو چکا ہے اور تعلیم کے تمام ذمہ داروں کا فرض ہے کہ یہاں کے تمام کالجوں میں باقاعدہ طور پر اردو کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ گجراتی کالج جہاں نائٹ کلاسیں لگتی ہیں اس کے سکریٹری مسٹر کانتی لال پٹیل سے بھی یہاں کے ذمہ داران اردو کے بندوبست کے سلسلہ میں ان سے کئی بار مل چکے ہیں۔

لیکن افسوس ہے کہ زبانی وعدوں کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہو سکا چونکہ یونیورسٹی کے فارم ماہ اکتوبر تک بھرے جائیں گے اس سے قبل ہی اگر کلاسیں شروع کر دی جائیں تو اب بھی بات بن سکتی ہے۔

(الجمعیۃ۔ دہلی)

جودھ پور میں کل راجستھان اردو سمپوزیم

فی زمانہ راجستھان میں اردو کے متعلق غیر معمولی ہما ہمی ہے۔ ابھی شروع اکتوبر میں بمقام جے پور میں کل ہند اردو کانفرنس ہو چکی ہے اب ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ نومبر ۱۹۶۲ء کو جودھ پور میں راجستھان ساہتیہ اکاڈمی اور انجمن ترقی اردو جودھ پور کی زیر سرپرستی کل راجستھان اردو سمپوزیم ہو رہا ہے جس کے انتظامات بڑے پیمانے پر کیے جا رہے ہیں۔ سیٹھ گوردھن لال جی کابرا، خان وحید اللہ خاں اور افتخار علی صاحب شمیم نیز دیگر مقامی حضرات خاص طور پر انتظامات میں مصروف ہیں۔ راجستھانی ادیبوں کے علاوہ ہندوستان کے مشہور ادیبوں کی بھی شرکت متوقع ہے۔ تینوں دن مشاعرہ بھی ہے۔ جس میں راجستھانی اور دیگر ہندوستانی شعراء کی منظوری شرکت موصول ہو چکی ہے۔ جودھ پور میں اس تقریب سے بڑی دلچسپی لی جا رہی ہے اور کارکنوں میں خدمت اردو کا جذبہ شباب پر ہے۔ کئی سو مہمانوں اور ہزاروں مقامی اصحاب کی شرکت یقینی ہے۔

(نامہ نگار)

غیر متعارف شعراء متوجہ ہوں

قیس رامپوری ایک ایسا مجموعہ شائع کرنا چاہتے ہیں جس میں ہندوستان کے ان شعراء کا کلام ہوگا جو اچھی صلاحیتوں کے باوجود گمنام ہیں۔ یہ مجموعہ دسمبر کے آخر تک شائع ہو جائے گا۔

خواہشمند شعراء اپنی دو غزلیں، مختصر حالات اور ایک پاسپورٹ سائز تصویر انھیں پتہ ذیل پر بھیج دیں۔

(قیس رامپوری۔ دو محلہ روڈ رامپور یوپی)

انجمن شاخ پٹیالہ کی سرگرمیاں

گزشتہ شب انجمن ترقی اردو پٹیالہ کی نشست زیر صدارت سردار ہرنس سنگھ تیج اسٹیٹ بنک آف پٹیالہ میں منعقد ہوئی جس میں متفقہ رائے سے شری جونت رائے ساحر سنامی کو انجمن کی مقامی شاخ کا نائب صدر نامزد کیا گیا انجمن کے قیام کے وقت سے ہی یہ جگہ خالی پڑی تھی اس وقت بھی اس جگہ کے لیے جناب ساحر سنامی صاحب بانی انجمن ترقی اردو پٹیالہ اور کنوینر انجمن ترقی اردو پٹیالہ ڈویژن کا نام تجویز کیا گیا تھا لیکن ساحر صاحب نے اسے منظور نہیں فرمایا تھا کیونکہ وہ کسی عہدہ کو تسلیم نہ کرتے ہوئے انجمن کی خدمت ایک ممبر کی حیثیت سے ہی سرانجام دینا چاہتے تھے ممبروں کی پرزور اپیل پر انھوں نے نائب صدر ہونا کل رات منظور فرمالیا ہے۔ اس کے علاوہ کل رات ایک بات اور منظر عام پر آئی کہ انجمن کے ایک سرگرم ممبر اور اردو کے اچھے شاعر جناب کمل جیت حاجز صاحب نے اپنا تخلص بدل کر ساغر شفائی رکھ لیا ہے۔ صدر کے علاوہ سبھی ممبران اور سامعین نے انھیں مبارکباد پیش کی۔ نشست کا اختتام ایک مشاعرے پر ہوا جس میں حسب ذیل شعرائے کرام نے حصہ لیا۔

جناب ہرنس سنگھ تیج۔ طالب شملوی۔ ساحر سنامی ساغر شفائی۔ جگر جالندھری۔ بہیش پٹیالوی۔ سوز شرمن۔ راج دیوانہ۔ پریم حسرت۔ برج لال نازاں۔ راز اور شباب۔

اس سے پہلے انجمن کی ایگزیکٹیو کمیٹی نے مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کیں۔

(۱) وزیر تعلیم پنجاب شری پربودھ چندر جی کی خدمت میں گزارش کی جائے کہ وہ کچھ وقت نکال کر انجمن ہذا کی ایک خاص نشست میں جو ان کے اعزاز میں کی جائے گی شرکت فرمانے کی تکلیف گوارا کریں۔

(۲) بالغوں کو اردو پڑھانے کا اہتمام کیا جائے۔

(بہیش پٹیالوی جنرل سکریٹری)

پاکوڑ سنتھال پرگنہ میں اردو لائبریری

۲۶ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو انجمن شاخ پاکوڑ کا ایک عام جلسہ زیر صدارت جناب خلیل رمزی، بمکان الحاج خان بہادر مولوی محمد امید علی صاحب مرحوم منعقد ہوا۔

جلسے کا اہتمام اردو لائبریری کے قیام کے سلسلے میں پاکوڑ کے نوجوانوں نے کیا۔ جناب مشتاق علی شاہد نے جلسہ کی نوعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک اردو لائبریری کی ضرورت کی اہمیت کا احساس دلایا۔ جناب خلیل رمزی کا خطبۂ صدارت پرمغز اور باثر ثابت ہوا جسکے فوراً بعد ہی ایک عارضی کمیٹی کی تشکیل ہوئی، جو لائبریری کے قیام کے سلسلے میں آئندہ اقدام کرے گی۔ اس جلسے میں شہر کے معززین نے شرکت فرمائی اور ہر ممکن امداد کا وعدہ کیا۔

عارضی کمیٹی کے ممبران حسب ذیل ہیں۔

(۱) جناب شوکت علی (۲) جناب مشتاق علی شاہد
(۳) جناب خلیل رمزی (۴) جناب ابوالحسن
(۵) جناب علی اکبر (۶) جناب نظام الدین (کنوینر)
(۷) جناب انیس الحق (کیشیر) (۸) جناب تجمل حسین
(۹) جناب توحید انور (۱۰) جناب محمد سعید
(۱۱) جناب محمد ظہیر الدین

(نظام الدین کنوینر)

"شام افسانہ"

جے پور ۵ر اکتوبر ۱۹۶۴ء یہاں اسلامیہ اسکول میں "شام افسانہ" کا ایک ستھرا پروگرام منعقد کیا گیا جس کی صدارت ہندو پاک کے مایہ ناز ادیب حضرت کوثر چاندپوری صدر ریاستی انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش نے فرمائی۔

جلسہ میں حضرات اختر سعید، مقصود عرفان، ظفر احمد نظامی، مفتون کوٹوی، بہار برنی، وقار صدیقی، اظہر جاسی، مختار الرحمن راہی، شاد کوٹوی، کے علاوہ بہت سے فنکاروں نے اپنی تخلیقات پیش کیں جنھیں بہت پسند کیا گیا۔

صدر جلسہ حضرت کوثر چاندپوری نے اپنی تقریر میں فن پر روشنی ڈالتے ہوئے جلسے میں پیش کردہ تخلیقات پر تنقیدی خیالات کا اظہار کیا ہے

(رہبر جے پوری) منیر منزل جے پور راجستھان

رحیم آباد میں اردو تعلیم کی دشواری

رحیم آباد ضلع لکھنؤ جونیر ہائی اسکول کے ۷۵ طالب علموں نے سہ لسانی فارمولے کے تحت انسپکٹر صاحب تعلیم کو ایک درخواست دی کہ وہ تیسری زبان اردو پڑھنا چاہتے ہیں دستخط کرنے والے طالب علموں میں ہندو مسلمان بچے شامل ہیں۔ لیکن ضلع کے تعلیمی افسران نے امسال ایسی کسی درخواست کے منظور کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

میری گزارش ہے کہ ذمہ دار افسران کو چاہیے کہ وہ حکومت کی عام پالیسی کے مطابق فوراً اردو کی تعلیم کا انتظام کریں تاکہ طالب علموں کا یہ سال برباد نہ ہو۔ (مائل ملیح آبادی۔ ملیح آباد لکھنؤ)

(منقول از قومی آواز لکھنؤ)

کامن ویلتھ ادبی کانفرنس میں ہندوستانی ادیبوں کی شرکت

۹ تا ۱۲ ستمبر لیڈز یونیورسٹی میں کامن ویلتھ ادبی کانفرنس منعقد کی گئی تھی جس میں چھ ہندوستانی ادیب بھی شامل ہوئے تھے۔ کسی برطانوی یونیورسٹی میں یہ اپنی قسم کی پہلی کانفرنس تھی۔

کانفرنس میں متعدد موضوعات زیر بحث آئے۔ ایک موضوع یہ تھا کہ جن ملکوں میں مختلف قسم کی زبانیں رائج ہیں وہاں انگریزی زبان کیا کردار انجام دے سکتی ہے۔ کامن ویلتھ کے اندر یونیورسٹی کے پروفیسروں کے باہمی تبادلہ کے امکانات پر بھی غور کیا گیا۔

کانفرنس کا اہتمام لیڈز یونیورسٹی نے برٹش کونسل کی مدد سے کیا تھا۔ تقریباً پندرہ ملکوں کے ڈیلیگیٹوں نے اس میں شرکت کی۔

افتتاحی اجلاس میں ہندوستانی ناول نویس مسٹر آر۔ کے۔ نارائن نے کانفرنس کو بتایا کہ انگریزی زبان کی جڑیں ہندوستان میں بہت دور تک چلی گئی ہیں اور اگرچہ بدرجہ آخر ہندی ہندوستان کی سرکاری زبان کے طور پر انگریزی کی جگہ غالباً لے لے گی لیکن ہندوستانی یونیورسٹیوں میں انگریزی کو کافی بلند مقام حاصل ہے۔

کانفرنس میں شامل ہونے والے دیگر ہندوستانی ڈیلیگیٹوں کے نام یہ ہیں ـــ ناول نویس و مصنف مسٹر خشونت سنگھ، دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر بال چندر راجن اور ڈاکٹر اے۔ این۔ کول، آندھرا یونیورسٹی کے پروفیسر کے۔ آر۔ سری نواس آینگر اور پونا یونیورسٹی کے ڈاکٹر ایس۔ ناگ راجن۔

لیڈز یونیورسٹی کے اسکول آف انگلش کے چیرمین پروفیسر اے۔ نارمن جیفیرز نے ڈیلیگیٹوں کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے کہا کہ کامن ویلتھ مصنفین کو سفر کی بہتر سہولتیں ملنی چاہئیں اور کامن ویلتھ یونیورسٹیوں میں کامن ویلتھ سے متعلق زیادہ کورسوں کا اہتمام ہونا چاہیے۔

کانفرنس کے ایک اور اجلاس میں ڈاکٹر ناگ راجن نے بھی اس رائے کا اظہار کیا کہ ہندوستان کی ادبی زندگی میں انگریزی ادب کے مطالعہ کی اہمیت کم نہیں ہوئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی اہمیت میں اضافہ ہو رہا ہے موصوف نے مزید کہا ہے کہ ہندوستان کو ایک بین الاقوامی زبان کی ضرورت ہے تاکہ اس کے دریچے دنیا پر کھلے رہیں انگریزی کو ہندوستان میں آئے ہوئے ایک سو سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے۔ "تاریخ کا یہ اتفاق سمجھئے کہ ہمیں ایک قیمتی فائدہ حاصل ہوگیا ہے۔ اب اسے ترک کرنا بیوقوفی کی بات ہوگی۔"

کانفرنس میں پروفیسر جیفیرز نے بتایا کہ برطانیہ میں ایک کامن ویلتھ جریدہ جاری کیا جا رہا ہے جس کے پہلے ایڈیٹر لیڈز یونیورسٹی کے انگریزی لیکچرر مسٹر آرتھر ریونز کرافٹ ہوں گے۔

ایک ڈاک خانے کی اردو بیزاری

مورخہ ۲۱ر ستمبر کو ڈاک خانہ پھول پور اعظم گڑھ کے ایک کلرک نے اردو میں پُر کیے ہوئے منی آرڈر فارم کو لینے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسے پھینک دیا اور جب اس کی شکایت پوسٹ ماسٹر سے کی گئی تو انھوں نے بھی اسی غلط طریقہ کار کی تائید کی۔

بالآخر اسی روز ایک درخواست پوسٹ ماسٹر جنرل کو لکھنؤ ارسال کی گئی۔

انتہائی دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی نہ تو وصولیابی کی رسید موصول ہوئی اور نہ جواب ہی آیا کوئی کارروائی تو دور کی بات رہی۔ مزید برآں مذکورہ معاملے کے بعد ہی سے لائبریری اور ذاتی خطوط وغیرہ کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی عملے کی خفگی کا شکار ہو جانے کی وجہ سے قطعی غیر معقول ہوگیا ہے جس کی وجہ سے سخت پریشانی ہے۔

انجم صدیقی۔ سکریٹری گلستان ادب لائبریری بھی پور پھول پور ضلع اعظم گڑھ

(منقول از قومی آواز)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ طابع و ناشر نذیر حسن پرنٹر ظہیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ سے شایع کیا